

چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

رنگی کا عرفان حاصل کرے تاکہ منصب تخلیق کے تقاضے پورے ہو سکیں اور پھر یہ تخلیق مغالرت محض Pure Alienation پر مبنی نہ ہو کہ انسانی ذات کی موضوعی صداقتیں اظہار و البلغ نہ پاسکیں، ہاں ہمارا شاعر ہر حالت، ہر کیفیت میں اپنی آنکھ کھلی رکھتا ہے اور یہ بنیادی پیغام دیتا ہے کہ اگر آپ دانش و فرازنگی کے متلاشی ہیں تو ادھر ادھر جھک مت ماریے، اپنے سے بڑی دانش، آپ کو اپنے ہی اندر سے ملے گی۔ طارق کی نخیلی فکر کا یہ پیغام مجھے بے اختیار، ڈوگ کا یہ فرقہ یاد دلاتا ہے، ”لاشعور کی دانش“ - یسیں پر ”دید“ بھی شہر ہجر میں بنیادی حیثیت سے رونق افروز ہو جاتی ہے۔ صحرا کے حوالے سے صرف یہی شعر ملاحظہ فرمائیں

جھلک رہا تھا کہیں دور صبح کا چہرہ
کسی کے دھیان میں صحرائے جاں سلگتا رہا

صحرائے جاں کی ترکیب، نہایت خوبی سے استعارۃً استعمال کی گئی ہے۔ پہلے مصرعے میں ”کہیں دور“ نے شعر کے صحرائے صبح کو بہت نمایاں کیا ہے۔ ”کہیں دور“ اور ”سلگتا رہا“ لہجہ رواں معلوم ہوتے ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل اس لہجہ رواں میں سمٹ آئے ہیں۔ پیکار مسلسل کی صورت میں ہمارا شاعر اس ”لہجے“ سے قربتیں بڑھاتا نظر آتا ہے۔

یوں لہ لہ کھٹے ہوئے کٹ ہی جائے گی
طارق زمانوں کی یہ مسافت کسی گھڑی
اس شعر میں تقریباً "تمام مترادفات استعمال کیے گئے ہیں۔ لہ،
زمانوں، گھڑی، پھر مسافت اور کتنا بھی ضمناً "مترادفات میں آجائیں گے
کیونکہ مسافت، لہوں کے بغیر ناممکن ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی
ہے کہ طارق محدود الفاظ میں نہایت خوبصورت انداز سے بہت بامعنی بات
کہہ سکتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے

لحہ خواب وداع مانگنے آیا طارق
سایہ خواب نے اک عمر رفاقت چاہی

لفظ وداع بھی آپ کو اس شعری مجموعے میں بار بار ملے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ طارق آئینِ نو سے ڈرتا نہیں۔ طرز کسن پر اڑتا نہیں، وداع اختیار کرتا ہے۔ لحہ خواب اور سایہ خواب پر غور کریں۔

”دنیا میں کیا کچھ موجود ہے جس کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ ایجنٹز کے بازاروں میں عیش و عشرت کا قیمتی ساز و سامان دیکھ کر یہ تاریخی الفاظ سقراط نے کہے تھے۔ اس فقرے میں مضمر دلائلوں اور ابدی صداقتوں نے ”شہرِ جبر“ کی تقسیم کو Order کرنے اور نقد و تبصرہ کے لیے راستہ وا کرنے میں میری بڑی معاونت کی۔ میں حیران تھا، چناب کنارے گجرات جیسے زرخیز خطے میں رہنے والا شخص اپنے تنخیل میں ”صحرا“ کیوں بسائے ہوئے ہے؟ نہ صرف صحرا بلکہ اس کے کچھ Shades جیسے ریگ، لہجہ، رنج، وداع۔ صحرا میں رنگارنگی، رعنائی اور تنوع نہیں ہوتا، لیکن صحرا ہے وسعت کی علامت۔ اگر ہم سقراط کے محولابلا مقولے سے مدد لیتا چاہیں تو بات کچھ بنی نظر آتی ہے کہ طارِق اشیاء کا رسیا نہیں، اس کا وژن Cosmic ہے۔ وہ زمینی تناظر کی راہنمائی میں تدبیر و نظر کرتا ہے، معاشرتی زندگی کے مادی لوازمات پر کشش سسی، لیکن ہمارے شاعر کے نظر کو پامال نہیں کر سکے کہ اس کے نزدیک ان کی چنداں اہمیت نہیں۔ اس کی دوسری وجہ طارِق کی مٹکان میں سکونت ہو سکتی ہے۔ میرے علم کے مطابق ”شہرِ جبر“ کا خالق کچھ عرصہ مٹکان میں رہائش پذیر رہا ہے۔ شاید طارِق کے لیے شہرِ مٹکان، شہرِ نگاراں بن گیا ہے۔ مٹکان اگرچہ صحرائی علاقہ نہیں لیکن اس میں صحرائی بیج، بہر حال موجود ہے۔ یہ صحرائی بیج ان کے تحت الشعور پر ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے۔ طارِق کی شاعری کا ایک اور عنصر ان کے اس مٹکانی حوالے کو تقویت دیتا ہے، کوئی ظاہر مین بھی بھانپ لے گا کہ ان کے کلام میں صوفیانہ رنگ بھرپور موجود ہے۔ مٹکان کا اس ضمن میں تعارف کرانا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی تیسری وجہ پاکستان اور مسلم دنیا کی حالت زار بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایسی ہی صورت حال تھی جب ٹی ایس ایلیٹ نے مغزل دنیا کے اندام و شکست و ریخت کو Waste land میں قلم بند کیا۔ طارِق نے Wasteland کا ترجمہ صحرا کیا ہے۔

اس پس منظر میں ”صحرا“ طارق کی داخلی معروضیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ استعارہ بن جاتا ہے۔ اگر آپ صحرا کو Depersonify کریں تو ”رنج“ ابھر آتا ہے۔ یوں صحرا کی ویرانی اور دہشت، ”رنج“ و دواع“ جیسے لفظوں کو بار بار استعمال کرنے کا موجب بنتی ہے۔ ایسی صورت حال میں ہمارے شاعر کے لیے ایک راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ سخن طرازی کے لیے، خود اپنی ذات میں جھانکے۔ اپنے اندر جمع لگائے اور اس میں مضمر تمام

مکمل آگاہی رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ سنجیدگی، غیر جانبداری، قوت استدلال اور اظہار رائے کی صفات سے متصف ہو۔ کیونکہ شعر جبر، مزاج سے خاصی مختلف ہے اس لیے بقول نظیری یہی کہوں گا

مشرقی گو رد کن و دلال گو در پاکن
جنس گر خوب است خوابد کرد پیدا قیسے

اگرچہ خریدار رد کرے اور دلال پائل کرے، اگر چیز اچھی ہوگی تو ضرور قیمت پائے گی۔

بقیہ: خواب اور اس کی تعبیر

تو وہ بے حد پریشان ہوئی، گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی، آخر کار جب اس خواب کی تعبیر بتائی گئی تو معلوم ہوا کہ ان سے کوئی ایسا کام ہوگا جس سے بے شمار مخلوق فیضیاب ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس نے سرزبیدہ کھدوائی جو عراق عرب کے ایک بہت بڑے حصہ کو سیراب کرتی ہے اور ایام حج میں مشرق و مغرب کے مسلمان اس سے فیض یاب ہوتے ہیں جو اسی خواب کی تعبیر ہے۔ (محمد رشاد الاخیا ص ۵۱ طبع جید برقی پریس ریلی)

(د) امام الحسین بن بوجر البادریؒ فرماتے ہیں کہ میں شہر الحن میں تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی وفات ہوگئی ہے۔ تو میں نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر تیرا خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی ایسا امام فوت ہوگا کہ اس زمانہ میں اس کی نظیر نہ ہوگی اور ایسے ہی خواب حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام ثوریؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی وفات کے وقت دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ شام سے پہلے ہی یہ خبر آئی کہ شیخ الاسلام الحافظ ابو موسیٰ المدینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۵۸۱ھ) وفات پا چکے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۲۵ و ۱۲۶ للذہبی)

یہ چند خواب ہم نے باحوالہ اس لیے نقل کیے ہیں تاکہ یہ بات آشکارا ہو جائے کہ بسا اوقات خواب کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطن کچھ اور ہوتا ہے اور اس کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و بصیرت کے ساتھ ساتھ فن تعبیر کی باریکیوں اور مضمر نکات حل کرنے کی توفیق سے نوازا ہوتا ہے ہر کہ وہ کی یہاں بات نہیں چلتی۔
ع نہ ہر کہ سربراہ قندری داند

جذبہ قائم و دائم نظر آتا ہے۔ اس اعتبار سے ”بازار“ کے ابتدائی معنی خارج از امکان ہی سمجھے جاسکتے ہیں۔ اس اعتبار سے ”بازار“ کے Refined اور Cultured معنوں میں استعمال کیا ہے۔ بازار سے مراد کوچہ عشق ہے اور دل کے چاک کی روکری محبوب حقیقی سے مطلوب ہے۔ اسی عالم کیف وجد میں ہمارا شاعر چند نقائص کرتا ہے

دو گھڑی کو تو اٹھا لو یہ زمانے کا حجاب
دو گھڑی گردش افلاک فصر جانے دو
تم مرے ہو تو مری غلٹ شب میں اک پل
اپنے پیکر کی صبا کو بکھر جانے دو

آشوب ذات پر قائم کی ہوگی یہ ہمہ بینی و ہمہ دلی کی عمارت بہر حال نامکمل رہتی ہے کہ ہر معلوم ایک نامعلوم کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

ازل سے محو جستجو ہوں اے غایت زیست تو کہاں ہے؟

طارق کے کلام میں بہت تنوع ہے اور مکالمے جیسا انداز جھلکتا ہے۔ مکالمہ، زندگی اور حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔ ہمارا شاعر حقیقت پسند ہے۔ آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ اپنے فکری سفر کے ارتقاء میں کہیں پڑاؤ نہیں ڈالتا۔ سفر کو منزل کے طور پر لیتا ہے اور داستان رقم کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ فرمائیں

حقیقت نفس الامر سے کس کو آگاہی ہے
باعتبار خیال ہے معنی ہو کہ صورت

یہ شعر خاصا پہلو دار ہے۔ ایک نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طارق فلسفے کے ایک مکتبہ فکر میں شامل ہو رہا ہے جو کائنات کی تقسیم کے ضمن میں ”خیال“ کو برتر مانتے ہیں کہ خیال ہی حقیقت ہے۔ اگر دوسری نظر سے دیکھیں تو یہ معنی بنتے ہیں کہ نفس الامر کی حقیقت کو جاننے میں جو بھی کوششیں ہیں وہ تو بس اپنے اپنے خیالات میں درنہ کے معلوم حقیقت کیا ہے؟

طارق کے اشعار میں شدید نوعیت کا اتار چڑھاؤ بھی موجود ہے۔ بعض مواقع پر زیادہ اضافیں ہونے سے شعر میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خیال کے درود میں شدت ہے جس سے ہمارا شاعر نبرد آزما ہے۔ پھر اظہار ہونے سے فوراً ہی اس جوش و جذبہ کی شدت میں ٹھہراؤ سا آجاتا ہے اور یہ ٹھہراؤ، خیال یا جوش و جذبے کی جزئیات کو بیان کرنے میں طارق کا ہم رکاب ہو جاتا ہے۔

شعر جبر اردو شاعری کی کلاسیکل روایت کا نیا ایڈیشن ہے۔ یہ نیا ایڈیشن، بہر حال کچھ Version بھی رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے، مجھ سے غفلت کتب کی شعر جبر پر خانہ فرسائی جبارت ہی معلوم ہوتی ہے۔ طارق کے کلام کی معنویت، فکری بلندی، لفظوں کی ترتیب، تراکیب، استعارے، ایک بڑے فن کا تقاضا کرتے ہیں جو اردو شاعری کی